معاشرتی اقدار اور رسم و رواج

میرا گھر، میرا آنگن

آج اس کی شادی کی پہلی رات تھی ......

وہ رات جو ہر لڑکی کی زندگی بھر تمناؤں میں سنبھتی ہے' خوابوں میں جسے زندگی دیتی ہے' ارمانوں کے دوپٹوں پہ تا عمر اسی رات کے ستارے ٹانکتی ہے۔ آج یہ رات اس کی زندگی میں بھی سانس لینے' جگمگانے' مسکرانے آ گئی تھی۔

وہ نیلوفر فراز جو کہ اب نیلوفر محسن بن گئی تھی۔ بہت عام سی لڑکی تھی' عام سے خواب' عام سی خواہشات رکھنے والی' اس کا مزاج بھی اتنا مشکل نہ تھا۔ ماں باپ کی لاڈلی ضرور تھی مگر اسے اپنی حیثیت اور اوقات کا ادراک تھا۔ بڑی ہوتے ہی پڑھائی کے ساتھ ساتھ گھر کے کاموں میں حصہ لیا اور آہستہ آہستہ پورا گھر سنبھال لیا۔ تعلیم مکمل ہوئی تو بابا نے اپنے کسی دوست کے توسط سے اس کا رشتہ محسن احمد ملک سے کروا دیا اور چھ ماہ کے اندر اندر ہی وہ محسن کے گھر کا چاند بن کر آ گئی۔

محسن اندر آ گئے تھے اور اس کا گھونگھٹ اٹھا کر دیر تک اسے دیکھتے رہے تھے' اور وہ جو اس طرح کے احساس سے یکسر انجان ہی تھی' عجیب عالم تھا اس کے دل کا۔ محبت بھری آنکھیں اس کے دل کو پگھلائے جا رہی تھیں۔

محسن اس کا حنائی ہاتھ تھامے باتیں کیے جا رہا تھا۔

''نیلوفر! ہم اس گھر کے سب سے بڑے بیٹے ہیں۔ دس برس قبل امی گزر گئیں۔ میرے پانچوں بھائیوں نے' میں نے' ابا جی نے بڑے کٹھن حالات دیکھے' مرد ہو کر بھی عورتوں کی طرح کام کیے' کھانے بنائے۔ لیکن بہرحال عورت' عورت ہوتی ہے اور اس گھر کو شدت سے ایک عورت کی ضرورت ہے۔ مجھے امید ہے کہ اس گھر کے لیے تم ایک بہترین عورت ثابت ہو گی۔ میرے ابا نے بیٹی نہیں دیکھی' میرے بھائیوں نے بہن نہیں دیکھی اور چھوٹے مزمل اور مبشر نے تو امی کو بھی صحیح طور پر نہیں دیکھا۔ میں آپ سے یہ توقع کروں گا کہ آپ بیک وقت ایک اچھی بیوی' بھابھی اور ماں ثابت ہوں گی۔ مجھے علم ہے کہ یہ کام بہت مشکل ہے مگر کرنا تو ہو گا۔ میرے ابا جی کہتے ہیں مشکل کام کر کے جو پھل ملتا ہے وہ آسان کام کر کے ملنے والے پھل سے بہت اچھا ہوتا ہے۔''

کسی مدبر کی طرح محسن اسے سمجھائے جا رہا تھا اور اس کی کومل انگلیوں سے کھیل بھی رہا تھا۔

''ہمارا یہ گھر چھوٹا سا ہے لیکن تمہیں پسند آئے گا۔ میرے بھائی تیمور کو گارڈننگ کا شوق ہے' ہمارا ایک چھوٹا سا گارڈن ہے' کئی سارے پھول' پودے' کیاریاں اور عشق پیچاں اور انگوروں کی بیل برآمدے کی ٹین کی چھت پر سایہ کیے ہوئے ہے' چھوٹے مظفر کو پرندوں کا شوق ہے۔ صحن کے ساتھ ایک بہت بڑا پنجرہ رکھا ہے جس میں رنگ برنگی چڑیاں' طوطے ہیں۔ اسی کی دو بلیاں بھی ہیں گھر میں ادھر ادھر بھاگتی ہوئی بچوں جیسی رونق لگاتی ہیں وہ۔ اس سے چھوٹا مدثر آرٹسٹ ہے' سارا دن رنگوں سے کھیلتا ہے۔ سارا دن ایزل ہاتھ میں پکڑے پینٹنگ کرتا رہتا ہے۔ مبشر انجارور ہے کا پڑھا کو ہے' ہر وقت کتابیں' کمپیوٹر اور بس ...... اور سب سے چھوٹا مزمل ...... بہت شرارتی ہے' کرکٹ پہ جان نچھاور کرنے والا۔'' محسن اسے تفصیلاً بتا رہے تھے۔

''اور آپ کے کیا شوق ہیں؟'' وہ بولی۔

''ہمارے شوق' پسند ناپسند آپ جان لیں گی۔ اب تو زندگی بھر کا ساتھ ہے۔''

ان کی شادی کی پہلی صبح عام شادیوں کی پہلی صبحوں کی طرح نہیں ہوئی' جہاں رشتہ دار اور جاننے والوں کا دلہن کو دیکھنے کی خاطر تانتا بندھا رہتا ہے' لڑکیاں شرارت سے بار بار دولہا دلہن کا دروازہ کھٹکھٹاتی ہیں' کونے کھدرے سے دیکھ لیے جانے کے ڈر سے دولہا میاں دلہن کے نزدیک بھی نہیں آتے۔

وہ دونوں دیر تک سوتے رہے تھے۔ یوں تو نیلوفر کو دیر تک سونے کی عادت نہ تھی' دادی اماں صبح ہی نماز کے لیے اٹھا دیتی تھیں' لیکن مایوں کے بعد کے چند روز' کزنز کا رات رات بھر جاگ کر اس سے باتیں کرنا اور شادی کی رات کے پانچ چھ کلو کے عروسی لباس کو پہنے گھنٹوں ایک ہی پوزیشن میں بیٹھے رہنا اسے تھکا گیا تھا۔ اس لیے اسے علم ہی نہ ہوا کہ وہ کب تک سوتی رہی ہے۔ زور زور سے کوئی دروازہ پیٹ رہا تھا' اس سے پہلے ہی محسن اٹھے اور دروازہ کھولا' سامنے تیمور تھا۔

''اسلام علیکم بھائی جان۔ آج جاگنے کے ارادے ترک کر دیے ہیں کیا۔'' وہ شرارت سے مسکرا رہا تھا۔ محسن نے دیوار پر لگے کلاک پر آنکھ ڈالی جو ساڑھے دس کا وقت دکھا رہا تھا۔ وہ اٹھ کے بیڈ پر بیٹھ گئی تھی' پورے کمرے سے گلابوں کی بھینی بھینی سی مہک آ رہی تھی۔

''ہمیں بھابھی صاحب سے ملوائیں گے بھی نہیں۔'' وہ پورے حق سے اندر آ کر بیڈ پر بیٹھ گیا تھا۔

''بھئی۔ یہ آپ کے دیوروں میں سب سے بڑے ہیں۔ تیمور احمد ملک۔ بی کام کر چکے ہیں۔'' محسن نے تعارف کروایا' نیلوفر نے سلام کیا۔ تیمور نے سلام کے جواب کے ساتھ گلاب وموتیے کا چھوٹا سا گلدستہ اس کی طرف بڑھایا۔

اس گھر کی پہلی صبح مبارک ہو۔ یہ میں نے اپنے ہاتھوں سے بنایا ہے۔ اسے قبول کیجئے۔ یہ میرے پیارے باغیچے کے پھول ہیں۔'' وہ بولا اس نے مسکرا کے پھول لیے اور ان کی خوشبو اندر تک اتار دی۔

''آج صرف پھول پتے نہ کھلانا اپنی بھابھی کو۔ موصوفہ نے ڈنر بھی ٹھیک سے نہیں کیا' ان کے ناشتے کا انتظام کرو۔'' محسن تولیہ اٹھا کے باتھ روم کی طرف جانے لگا۔

''ناشتہ بھابھی کے میکے سے ان کی بہنیں لے کر حاضر ہو جائیں گی۔ ابھی ابھی فون آیا تھا۔'' اندر مظفر نے بمعہ اپنی بلیوں کے انٹری ماری۔

''السلام علیکم بھابی جان۔ میں مظفر ہوں۔ ماڈل نمبر تین۔ یہ دونوں میری بلیاں ہیں ملکہ اور برکھا۔ یہ دونوں آپ سے ملنا چاہتی ہیں۔'' مظفر نے بڑی شان بے نیازی کے ساتھ ملکہ اور برکھا صاحب کو نئے نویلے کمبل پہ چھوڑ دیا' ایک سفید رنگ کی ملکہ تھیں اور دوسری براؤن کلر کی برکھا۔ دونوں کودیاں مارنے لگیں' نیلوفر گھبرا کے پیچھے ہو گئی۔

''ڈریئے مت بھابی' یہ کچھ نہیں کہتیں' بڑی بے ضرر ہیں' معصوم ہیں' میرے پاس ایک کتا بھی تھا' گبرو' اچھا تھا لیکن ملکہ اور برکھا کو چھیڑتا تھا۔ میں نے ان دونوں کی خاطر اسے نکال دیا حالانکہ وہ وفادار بڑا تھا۔'' مظفر نے برکھا کو اٹھا کے نیلوفر کی گود میں رکھ دیا اور ڈر کے مارے اس کی صورت تبدیل ہو گئی' برکھا صاحب بڑے اسٹائل سے اپنی ناک اس کے گھٹنے سے پونچھنے لگیں۔

''ہمارے بہت سے طوطے اور چڑیائیں بھی ہیں' وہ بھی آپ سے ملنا چاہتے ہیں۔'' مظفر نے برکھا کو اٹھایا۔ اسی وقت مدثر' مبشر اور مزمل اندر آ گئے۔

''یہ ہیں ماڈل نمبر چار' یہ پکاسو کی نسل سے ہیں۔ رنگوں کی بھاشا بولتے اور سمجھتے ہیں۔ اور یہ مبشر آئن اسٹائن کا بچھڑا یار۔ سائنسدان بنے گا ایک دن۔ اس کے چشمے کا نمبر ہر سال بڑھتا ہے۔

اور یہ آخری نمبر مزمل صاحب' یہ کرکٹ فوبیا کا شکار ہوتے ہیں' اللہ ہی پڑوسیوں کے شیشوں کو ان کی گیند سے بچائے رکھے۔ ہر ہفتے ابا جی اس کے نقصان بھرتے رہتے ہیں۔'' تیمور سب کے تعارف کروا رہا تھا۔

وہ بہت انجوائے کر رہی تھی سب سے مل کے۔ کیا انوکھا خاندان تھا' کتنے نئے رنگ تھے ان کے۔ کچھ ہی دیر بعد معظم صاحب اندر اس سے ملنے کیلئے تشریف لے آئے۔ اور پھر امی' عنبر اور بھائی ناشتہ لائے تھے۔ جسے سب نے مل کے کھایا۔ پڑوس میں سے دو ایک خواتین اسے دیکھنے آئیں اور رات کا کھانا دونوں نے امی کے گھر جا کر کھایا اور دوسری رات کا پڑاؤ بھی امی کے گھر ہی تھا۔

❖❖❖

''سنو نیلوفر۔ یار ناشتہ ہی بنا دو۔'' ان کی شادی کی تیسری صبح محسن نے اخبار کی سرخیاں دیکھتے دیکھتے کہا تھا' وہ اس سے پہلے کچن میں نہیں گئی تھی' اور رات کے کھانے میں عموماً دعوتیں ہی ہوتی تھیں کسی کے گھر' دوپہر کو زیادہ تر امی کی طرف چلی جاتی تھی' تین دن تو یہی ہوا تھا۔

وہ اٹھی اور خاموشی سے چلتی چلتی صحن میں آ گئی۔ صحن کی دائیں طرف لگے پنجرے میں رنگ برنگے پرندے چہچہا رہے تھے' ملکہ اور برکھا دوڑی دوڑی پھر رہی تھیں اور تیمور پائپ اٹھائے اپنے پودوں کو پانی لگا رہا تھا۔

''آئیے آئیے بھابی بیگم۔ تشریف لائیے' ہم آپ کو اپنے دوستوں سے ملوائیں۔'' وہ چلتی چلتی اس تک آ گئی۔

''دوستو۔ دوستو۔ یہ ہیں ہماری پیاری سی بھابی۔ ہمارے گھر کی رونق۔'' تیمور نے باآواز بلند کہا' وہ مسکرا دی۔

''بھابی شروعات کرتے ہیں چنبیلی بیگم کے اس پودے سے' یہ ہمارا سب سے پیارا دوست ہے' اس کی خوشبو بہت انوکھی ہے' یہ دو تین طرح کے گلاب کی کیاریاں' یہ تھوڑی سی جیلس رہتی ہیں کہ میں چنبیلی کو اتنا کیوں چاہتا ہوں' یہ رات کی رانی ہے' یہ دن کا راجہ ہے' یہ کول بنتی ہے پیلے رنگ کا پھول' یہ گیندا ہے' اور وہ عشق پیچاں اور انگور کی بیل ہے جو پورے گھر میں پھیلی ہے۔ اس طرف میں نے کچھ سبزیاں لگائی ہیں۔ پہلے کچن میں سنبھالتا تھا' اب تو یہ ڈیوٹی آپ کی ہوئی لہٰذا لہسن' پیاز' کریلے' کدو' بھنڈی اس سیزن میں دستیاب ہیں۔ سردیوں میں شلجم گاجر مولی پالک اور گوبھی بھی ہوتی ہے۔ جامن اور آم کا پیڑ بھی ہے اور لیموں کے پودے پہ لیموں بھی لگتے ہیں۔'' تیمور نے تفصیلاً بتایا۔

''واہ بھئی ...... تم نے تو آدھی مشکلات آسان کی ہوئی ہیں۔ اچھا اب مجھے کچن کا راستہ بتاؤ۔ تمہارے بھیا کے لیے ناشتہ بنانا ہے۔'' وہ بولی۔

''ہم خود لیے چلتے ہیں آپ کو۔'' تیمور نے پائپ رکھا اور اس کے ساتھ ہو لیا۔ برکھا اور ملکہ بار بار اس کے قدموں میں آ کے اسے چھیڑ رہی تھیں۔ صحن کے بائیں طرف کچن تھا اور اسٹور روم' اس کے سامنے کاریڈور نما راہداری تھی' جہاں آمنے سامنے چھ کمرے تھے۔ ایک ماسٹر بیڈ ابا جان کا تھا' باقی کمرے دو دو بھائیوں میں تقسیم کیے گئے تھے' ایک مہمان خانہ یا بیٹھک تھی۔ محسن کے لیے ایک نیا کمرہ ان کمروں سے ذرا ہٹ کر تعمیر کرایا گیا تھا۔

کچن میں پہنچ کر تو گویا نیلوفر کی چیخ نکلتے نکلتے رہ گئی۔ اف اللہ۔ یہ کچن تھا یا تبیلا۔ گندے اور صاف برتن ساتھ ساتھ فرش پہ پھیلے تھے۔ پتیلے' دیگچیاں کالی ہو چکی تھیں' سلنڈر کے اوپر بھی گندے برتنوں کا ڈھیر تھا۔ مرچ مصالحے' دالیں' چاول' چائے' چینی' چھوٹی چھوٹی تھیلیوں میں بندھی یہاں وہاں بکھری پڑی تھیں۔ دیوار پر اک بیمار روشنی والا بلب جل رہا تھا۔ جس کی روشنی کے نیچے بہت ساری چھپکلیاں سرسرا رہی تھیں۔ اسے چھپکلیوں سے بہت ڈر لگا کرتا تھا۔ وہ سہم کے ذرا دور ہو گئی۔

''بھابی۔ بھیا کے ساتھ ساتھ میرے لیے بھی ناشتہ بنا دیجئے گا۔ بڑی بھوک لگی ہے۔'' تیمور یہ کہہ کے جانے لگا۔ وہ یہ محسن سے بھی پوچھنا بھول گئی تھی کہ ناشتہ یہ لوگ کرتے کس طرح کا ہیں۔ اور وہ کیا بنائے۔

''سنیں تیمور۔ آپ لوگ عموماً ناشتے میں کیا پسند کرتے ہیں؟''

''تلی ہوئی چھپکلیاں۔'' تیمور نے سنجیدگی سے کہا اور وہ لرز گئی۔ تیمور کھلکھلا کے ہنس دیا۔

''مذاق کر رہا تھا بھابی۔ وہ سامنے فرج پڑا ہے۔ اس میں دودھ ہو گا' اچھی سی چائے بنا لیں اور آٹا گوندھ کے پراٹھے بنا لیں۔ بس یہی ناشتہ ہم لوگ کرتے ہیں۔'' وہ کہہ کے آگے چلا گیا اور وہ خاموشی سے سوچتی رہی۔ چائے بسکٹ' چائے ڈبل روٹی کا تو کوئی جوڑ بنتا ہے لیکن چائے پراٹھے۔ کیا ڈبو ڈبو کے کھاتے ہوں گے۔ ایک زنگ آلود کیتلی اسے مل گئی جسے اسٹیل کی تار سے رگڑ رگڑ کے دھویا اور اس میں چائے بنانی شروع کی۔ آٹا گوندھنے کا کوئی برتن نہ تھا لہٰذا ڈونگے میں گوندھا اور کافی سارا گوندھا۔ فرج میں انڈے اور آلو موجود تھے۔ آلوؤں کو فرائی کیا اور انڈوں کے آملیٹ بنائے۔ ایک گھنٹے کی محنت کے بعد ناشتہ تیار ہو گیا۔ محسن کو کمرے میں ناشتہ پہنچا کر اس نے ٹرے میں ساری چیزیں رکھیں اور ابا جی کے کمرے میں چلی گئی۔

''آپ کے لیے ناشتہ لائی ہوں ابا جی۔'' اس نے ادب سے سلام کر کے کہا' ابا جی کچھ دیر بے یقینی سے اس کی طرف دیکھتے رہے اور پھر مسکرا دیے۔

''اچھی بیٹیوں کی طرح آتے ہی امور سنبھال لئے گھر کے۔'' ابا جی بولے۔ ناشتے میں اتنا اہتمام دیکھ کر ان کی آنکھیں نم ہو گئیں' دیوار پہ ٹنگی اپنی زوجہ مرحومہ کی بلیک اینڈ وائٹ تصویر کی طرف دیکھا۔

''دس ساڑھے دس برس پہلے کنیز فاطمہ نے اسی طرح ناشتہ بنا کے کھلایا تھا۔ اس کے جانے کے بعد تو ہم ذائقوں کو ترس گئے۔'' ابا جی نے اپنا چشمہ اتار کے آنکھوں کی نمی صاف کی۔ نیلوفر نے اپنی ساس کو پہلی بار دیکھا۔ دکھ کی ایک لہر اس کے اندر اٹھی۔

''اب میں آ گئی ہوں ناں ابا جی۔ آپ کو جو کھانے میں اچھا لگے۔ یا کوئی اور کام ہو آپ مجھے کہہ دیا کریں۔ میں اپنے بابا کو بھی اچھے اچھے کھانے بنا کے کھلاتی تھی۔'' وہ پیار سے بولی۔

''بس بیٹا۔ میرے یہ جو بچے ہیں ناں۔ ان کی تمہیں سنبھالداری نہیں پرورش کرنی پڑے گی۔ بہت کم عمروں میں بن ماں کے ہو گئے تھے۔ ان کو اپنے بچوں کی طرح رکھنا میری بیٹی۔'' ابا جی نے کہا۔

وہ کچھ دیر اور بیٹھی ان سے باتیں کرتی رہی۔ پھر باقی سب کو ناشتہ دینے کے خیال سے وہ اٹھ آئی۔ سبھی نے مل کر مزے سے ناشتہ کیا تھا آج۔

اور پھر ناشتے سے فراغت پاتے ہی محسن کسی دوست سے ملنے چلے گئے تھے اور وہ اپنا زرق برق لباس تبدیل کر کے ایک عام سا سوٹ پہن آئی اور کچن کی صفائی میں جت گئی۔ ہر کیبنٹ ہر خانے سے برتن نکالے اور دھونے کے لئے باہر صحن میں رکھ دیے۔ لان سے پائپ اور بالٹی اٹھائی' بالٹی میں سرف والا پانی بنایا اور رگڑ رگڑ کے کچن کا فرش صاف کرنے لگی۔ جس پہ نہ جانے کتنے برسوں کی کائی جمی تھی۔ ہاتھ میں برش تھا اور وہ رگڑائی میں مصروف تھی۔ ذرا سا اوپر چڑھ کر دیوار سے جالے بھی اتارے تھے اور مٹی بھی جھاڑی تھی۔

فرش دھونے کے بعد خانوں کی صفائی کی باری آئی۔ دھو دھو کے لکڑی کے خانوں اور ان میں لگے شیشوں کو چمکایا' خانوں کے اندر نئے اخبار بچھائے۔ اپنے ساتھ جہیز میں لائے مصالحوں کے ڈبوں میں مصالحے اور دالیں چاول رکھے۔ برتنوں کے ریک پہ نئے ڈنر سیٹ کے برتن سجا دیے۔ چمچوں کو ایک برتن میں جمع کر دیا' چھریاں الگ رکھ دیں۔ کفگیر' چمچوں' کڑچھوں کو دیوار پہ اسٹینڈ لگا کے لٹکا دیا۔

اور کچن کا بوسیدہ چولہا بھی رگڑ رگڑ کے مانجھا۔ چولہے کے بعد وہ گھر کے پرانے برتن دھونے کی غرض سے باہر آئی۔

''تو تم ہو بنو۔ نئی دلہن جسے محسن بیاہ کے لایا ہے۔'' اسے اوپر کہیں سے آواز آئی۔ اس نے ادھر ادھر دیکھا' یہ خواتین کی آواز تو یہاں نہیں پائی جاتی پھر یہ کون سے آسمان سے آ رہی ہے' کہیں یہ اس کی ساس کنیز فاطمہ کی آواز تو نہیں۔

''ارے ہم یہاں ہی تمہارے پیچھے دیوار پہ۔'' خاتون کے کہنے پر اس نے مڑ کر دیکھا۔ ایک ادھیڑ عمر بڑی بی دیوار پہ نظر آئیں' ہونٹ پان کھا کھا کے سرخ پڑ چکے تھے چہرے پر کرختگی درج تھی۔

''ارے ہم عذرا خالہ ہیں تمہاری پڑوسن' تمہی ہو نا دلہن یا پھر دلہن کوئی ملازمہ ساتھ لائی ہے۔'' عذرا خالہ نے سختی سے کہا۔

''میں ہی ہوں دلہن۔'' وہ ادب سے بولی۔

''چلو اچھا ہے دیکھ لیا۔ کب سے سوچ رہی تھی کہ جا کر دلہن دیکھ آؤں۔ نام کیا ہے تمہارا؟'' وہ بولیں۔

''جی۔ نیلوفر۔''

''نیلوفر...... ہائے ہائے میری مرحومہ بہن کا نام تھا۔ بڑی پیاری تھیں وہ۔'' خاتون نے ٹھنڈی آہ بھری۔ ''یہ کیا تم نے چوتھے دن جھاڑو برتن شروع کر دیے ہیں۔ ذرا دم تو لے لیتیں۔ یہ چولہا چکی تو عمر بھر نہیں چھوٹتے۔'' عذرا خالہ بولیں۔

''اپنے گھر کا کام ہی تو کر رہی ہوں۔'' وہ مسکرائی۔

''آئے ہائے۔ بڑی نیک بخت ہو۔ سسرال کو اپنا گھر مان کر آئی ہو۔ ایک میری بہو ہے۔ شادی کرتے ہی میرے بیٹے کو رخصت کرا کے اپنے گھر لے گئی۔ گھر داماد بنا لیا۔'' خاتون جل کر بولیں۔ وہ چپ رہی۔

''اری او جہاں آرا' جبیں آرا' آؤ آ کر دلہن دیکھ لو۔'' عذرا خالہ نے پان کی پچکاری دیوار پہ پھینک کے دہائی دی اور چند سیکنڈ بعد ہی دو اور بوتھیاں دیوار پہ نظر آئیں۔

''ہائے اللہ...... دلہن۔'' ایک نے کہا۔

''بغیر ہار سنگھار کے۔'' یہ دوسری تھی۔

''میں جہاں آرا ہوں۔'' پہلی۔

''میں جبیں آرا ہوں۔'' دوسری۔

''آپ بھابی ہیں ناں نئی والی؟'' دونوں اکٹھی بولیں۔

اس نے گردن اثبات میں ہلائی۔ پھر ان کی گفتگو کا وہ سلسلہ شروع ہوا کہ ختم ہو کر نہ دے رہا تھا۔ اللہ اللہ کر کے عصر کے بعد وہ اتریں تو اس نے بقایا برتن دھوئے۔

❖❖❖

''بھابی آج مجھے اپنا گھر بہت اچھا لگ رہا ہے۔'' مظفر نے برکھا کو نہلاتے نہلاتے کہا تھا۔

''اچھا...... کیوں؟'' وہ بولی۔

''آپ کے آنے سے ہمارے گھر میں کتنی اچھی اچھی تبدیلیاں آئی ہیں۔ سارا دن آنگن میں آپ چلتی ہیں' چوڑیوں کا شور اٹھتا ہے' آپ کے رنگ برنگے کپڑے دھل کے ہمارے گھر کی الگنی پہ لہرا رہے ہیں' ہمارے گھر کا کچن کتنے اچھے اچھے کھانے اور پکوان پکا رہا ہے۔ آپ کے آنے سے ہمارے گھر میں زندگی آ گئی ہے بھابی۔'' مظفر کے چہرے پر معصوم مسکراہٹ تھی۔

''یہ تم برکھا کو ہی رگڑے جا رہے ہو جبکہ ملکہ زیادہ میلی ہوئی ہے۔ اسے بھی صابن سے نہلاؤ بھئی۔'' اس نے مسکرا کے کہا' اپنے کام میں کسی کا اتنا انٹرسٹ دیکھ کر مظفر نے دلجوئی سے ملکہ کو اٹھایا اور نہلائی شروع کر دی۔

''بھابی۔ ہماری اماں کا مزاج بھی آپ جیسا تھا۔ بہت پیار کرتی تھیں وہ' سارا دن کام کرتیں۔ شام کو محلے کے بچے قرآن پاک پڑھنے آتے تھے۔ بہت چہل پہل تھی ہمارے گھر میں۔ امی کے بہت ملنے ملانے والے تھے۔'' وہ بولا۔

''مظفر! تمہیں اماں کی بہت یاد آتی ہے۔'' نیلوفر نے پوچھا۔

''آتی تھی۔ پہلے بہت آتی تھی۔ جب روکھا سوکھا بے مزہ کھانا پکا کے کھاتے تھے' یا جیسے تیسے کپڑے دھوتے تھے تو اماں کے مولی کے پراٹھوں کی' مٹر قیمے اور بھنے گوشت کی' ان کے ہاتھوں سے دھلے صاف کپڑوں کی بہت یاد آتی تھی۔ تنہا راتیں اماں کی کہانیوں کے بغیر نیند سے خالی ہو جاتیں۔ سونا سا گھر قبرستان لگتا۔ لیکن آپ کے آنے کے بعد تو ہمارے گھر میں پھر سے روح آ گئی ہے۔ جھوم اٹھا ہے زندگی سے یہ چھوٹا سا آنگن۔'' مظفر کی باتوں میں بہت مان تھا۔

''تمہیں کھانے میں کیا اچھا لگتا ہے مظفر۔'' اس نے پوچھا۔

''مجھے مٹر قیمہ اور آلو کے پراٹھے بہت اچھے لگتے ہیں' ساتھ میں پودینے کی چٹنی ہو تو کیا ہی بات ہے۔ ویسے بھابی آپ مجھے میری اماں کی طرح ظفری کہہ کر بلایا کریں۔ مجھے بہت اچھا لگے گا۔'' مظفر نے پیار بھری فرمائش کی۔ وہ مسکرا دی۔

''ظفری میاں! اپنی ملکہ اور برکھا کو جلدی نہلا دو ورنہ آج ہمارے گھر کا کھانا نہیں بنے گا۔ تمہی کو سبزی وغیرہ لے کر آنی ہے۔'' وہ مسکرا کے اٹھی تھی' اندر سے ابا جی کی آواز آئی تھی۔ ابھی راہداری کے ایک سرے سے گزر رہی تھی کہ ایک کمرے میں اسے مدثر نظر آ گیا' جو ایزل ہاتھ میں اٹھائے کینوس پر کچھ پینٹ کر رہا تھا۔ نیلوفر مڑی اور چلتے چلتے اس کے کمرے تک آئی۔ پورے کمرے میں آئل پینٹس کی خوشبو رچی بسی تھی اور کمرہ...... یوں لگ رہا تھا کہ یہاں کچھ دیر پہلے طوفان آ چکا ہو۔ دو سنگل بیڈ جن پہ چادر نام کی کوئی چیز نہ تھی۔ یہاں وہاں بکھرے کپڑے' کتابیں' رنگوں کی ڈبیاں وغیرہ وغیرہ۔ یہ مظفر اور مدثر کا کمرہ تھا۔ لیکن بہت عجیب نقشہ پیش کر رہا تھا' فرش پہ بھی بے انتہا رنگوں کے دھبے تھے' ماڈرن آرٹ کا نمونہ لگ رہی تھی کمرے کی دیوار۔ مدثر بہت محویت سے کچھ بنا رہا تھا۔

''ہم اندر آ سکتے ہیں۔'' وہ بولی۔ مدثر متوجہ ہوا۔

''ارے بھابی۔ آپ آئیں۔'' اس نے ایزل ٹیبل پہ رکھا اور کپڑے ہٹا ہٹا کے بیٹھنے کی جگہ بنانے لگا۔ وہ جا کے اس کے کینوس کے قریب بیٹھ گئی۔ وہ ایک سینری پینٹ کر رہا تھا' جس میں ایک صحرا تھا' تھوہر کے چند پودے تھے اور ویرانی تھی لیکن صحرا کے آسمان پر سرمئی رنگ کے بادل تھے' لگتا تھا برسنے کو تیار کھڑے ہوں۔

''بہت اچھی سینری ہے۔ تم نے پینٹنگ کہیں سے سیکھی تھی مدثر۔'' وہ بولی۔

''نہیں بھابی کہیں سے نہیں سیکھی...... اللہ تعالیٰ نے سکھا کے دنیا میں بھیجا تھا۔'' وہ فخر سے مسکرایا۔

''پھر تو کمال کرتے ہو۔ کتنی اچھی سینری بنائی ہے۔ کتنی نیچرل۔''

''ہاں بھابی...... یہ سینری بہت نیچرل ہے۔ ایک صحرا۔ خشک' پیاسا' ویران۔ لیکن اچانک سرمئی بارش والی گھٹائیں اس پہ چھا جاتی ہیں اور جل تھل دشت کو بھی جنگل بنا دے گی۔ ٹھیک ہماری زندگیوں کی طرح۔ جو اسی دشت کی طرح ویران اور پیاسی تھی' مگر آپ کی آمد نے بارش کی جل تھل کر دی ہے۔'' مدثر نے جس لہجے میں کہا وہ نیلوفر کے دل میں اتر گیا۔

کتنی اہمیت رکھتی تھی اس کی ذات ان سب کی زندگانیوں میں۔ اس کی آمد نے ہر فرد پہ الگ الگ اثر کیا تھا۔ ہر فرد اس کی آمد پہ خوش تھا اور ہر کوئی الگ الگ طریقے سے اس خوشی کا اظہار کر رہا تھا۔

❖❖❖

کچھ دنوں بعد زندگی کی روٹین تبدیل ہوئی۔ دعوتوں کا سلسلہ ختم ہوا۔ امی کے گھر آنا جانا کم ہوا۔ محسن نے دفتر جانا شروع کر دیا۔ گھر کے باقی افراد بھی اپنے اپنے کالج' یونیورسٹی اور کاموں کے لئے جانے لگے۔ تو نیلوفر نے بھی ''روایتی گرہستن'' کا روپ اوڑھ لیا۔ ایک دن صبح ہی صبح ابا جی کو ناشتہ کرا کے اس نے جھاڑو' صافیاں' وائپر اور ڈسٹر اٹھائے اور گھر کی صفائی میں جت گئی۔

پہلا کمرہ مظفر اور مدثر کا تھا۔ بہت گندہ اور بے نظم۔ جالے اتارنے' جھاڑو نکالنے' ڈسٹنگ کرنے اور فرش دھونے کے بعد اس نے کمرے کی سیٹنگ کرنا شروع کی۔ بیڈ کے گدوں کو جھاڑ کے ان پہ خوب صورت سی پھولدار چادریں بچھائیں جو گھر میں سے ہی میسر آ گئی تھیں۔ الماریوں میں کپڑے ترتیب سے تہہ کر کے رکھ دیے۔ میز پہ کتابیں رکھ دیں اور مدثر کے پینٹ کے ڈبے' برش' ایزل' اسکیچ بکس ترتیب سے رکھ دیے۔ مدثر ہی کی بنائی ہوئی ایک خوب صورت سینری کی پینٹنگ دیوار پہ لگا دی۔

اس کے سامنے والا کمرہ مبشر کا تھا جو کہ اپنی پڑھاکو طبیعت کی بنا پر تنہائی پسند تھا۔ اس کے کمرے میں بھی کتابیں جا بجا بکھری رہتیں۔ گو کہ اس کا کمرہ باقی کمروں

سے ذرا صاف اور سادہ تھا مگر تنظیم یہاں بھی کچھ خاص نہ تھی۔ جھاڑو پونچھے اور جھاڑنے کا مخصوص کام کر کے یہاں بھی نیلوفر نے تنظیم لانے کی کوشش کی۔
تیمور کا کمرہ بھی اس کی پسند کے مطابق ڈھالا اور مہمان خانے میں بھی شوپیسز اور گلدستوں سے آرائش کی۔
ننھے مزمل کا کمرہ بابا جان کے ساتھ ہی تھا اور اس کے سسر معظم صاحب اپنے کمرے میں تھے لہٰذا ان کے کمرے کو بعد میں صاف کرنے کا تہیہ کر کے وہ کچن میں آ گئی کھانا پکانے کی غرض سے۔
''یار میری سمجھ میں نہیں آتا۔ تمہاری شادی مجھ سے ہوئی ہے یا میرے گھر سے۔'' محسن نے چاول کھاتے کھاتے کہا تھا' پلیٹ میں سلاد ڈالتے اس کے ہاتھ رک گئے تھے۔
''کیا مطلب؟'' وہ بولی۔
''ہاں۔ صبح ہو شام ہو دن ہو یا رات۔ تمہیں گھر کی یا کسی فرد کی پریشانی ہوتی ہے۔ ابا جی کو نماز کے بعد چائے چاہئے ہوتی ہے۔ ظفری کو جمعہ کے دن کرتا شلوار پہننا ہے۔ تیمور نے دال تڑکے کی فرمائش کی ہے۔ اور تو اور ملکہ اور برکھا کے فوڈ مینو کی مینشن الگ۔
یار تمہاری اس قدر ٹف روٹین میں میری جگہ کہاں ہے؟'' وہ روٹھا ہی تو تھا۔
نیلوفر نے ایک ٹھنڈی سانس باہر نکالی۔
''محسن! آپ جانتے ہیں آپ میری زندگی کا سب سے ضروری حصہ ہیں۔'' وہ بولی۔
''اچھا واقعی۔ اطلاع کے لئے شکریہ۔ مجھے پتہ نہ تھا۔'' وہ بسورا۔
''محسن! آپ کو آخر کار کیا ناراضگی ہے۔ کیا آپ یہ سب نہیں چاہتے۔'' وہ زچ ہوئی۔
''چاہتا ہوں یار۔ کیوں نہیں چاہتا۔ مجھے اچھا لگتا ہے کہ تم میرے گھر والوں کا اس قدر خیال رکھتی ہو لیکن ان سب میں تم کم از کم مجھے تو فراموش نہ کرو۔'' وہ بولا۔
''آپ کو کس طرح سے فراموش کر سکتی ہوں میں۔'' وہ روہانسی ہوئی۔
''یار! ہماری شادی کے نئے نئے دن ہیں جو کبھی بھی پلٹ کے نہیں آئیں گے۔ اور ہماری کوئی لو میرج بھی نہیں۔ ہم کو انڈر اسٹینڈنگ کے مراحل ابھی طے کرنے ہیں جس کے لئے ضروری ہے کہ ہم ایک ساتھ وقت گزاریں۔ گھومیں پھریں زندگی کو ایک ساتھ برتیں۔ اور یہ سب اس طرح تو نہیں ہوتا۔ تم چوبیس گھنٹے گھر میں مصروف رہتی ہو میں گھر میں ہوتے ہوئے بھی تنہا کمرے میں ٹی وی دیکھتا رہتا ہوں۔ تم وقت کو مینیج کیا کرو نا۔'' محسن نے انتہائی پیار سے اسے سمجھانے کا مرحلہ طے کیا۔ اور اس کے دل میں واقعی احساس جگایا۔
''آئندہ آپ کو شکایت نہیں ہوگی۔'' وہ بولی۔
''وعدہ۔'' اس نے پیار سے اسے دیکھا' گردن اثبات میں ہلی۔
''آج شام میں ہی گھر والوں کا کھانا بنا دینا۔ ہم رات کو ڈنر کرنے باہر جائیں گے۔ اور ایک خوب صورت جگہ بھی دکھاؤں گا تمہیں۔'' محسن نے پیار سے اس کا ہاتھ تھاما۔ وہ مسکرا دی تھی۔
محسن کی فرمائش پر اس نے بلیک کلر کی ساڑھی پہنی تھی' جس پہ نگوں اور سلور دھاگے کا کام تھا۔ وہ دونوں بہت پیارے لگ رہے تھے۔ ابھی وہ دونوں باہر نکل ہی رہے تھے کہ مزمل اور ظفری کی آواز نے انہیں روکا۔
''بھابی...... بھابی۔'' مزمل رو رہا تھا۔ اس کے گھٹنے سے خون بہہ رہا تھا۔ وہ فوراً پلٹی اور اس کے پاس آئی۔
''کیا ہوا چندا؟'' وہ تڑپ اٹھی۔
''بھابی...... کرکٹ کھیلتے کھیلتے گرا ہے۔ سیڑھیوں پر چڑھا تھا بال کے پیچھے۔ اچھا ہوا اس کے ساتھ' کرکٹ کا بھوت تو اترے گا سر سے۔'' ظفر نے چوٹ کی تفصیل بتائی۔
''ظفری! تم اس پہ غصہ کرنے کے بجائے جاؤ اندر اور میڈیکل باکس اٹھا لاؤ۔'' نیلوفر نے ظفر کو اندر بھیجا اور مزمل کو ہاتھ سے تھامے اندر کمرے میں لے آئی۔ محسن خاموشی سے کھڑا یہ سب دیکھ رہا تھا۔
نیلوفر نے مزمل کے زخم کو پانی سے دھویا۔ ڈیٹول سے صاف کیا۔ اس پہ ٹیوب لگائی اور پھر بینڈیج کر دی۔ اس تمام عمل میں آدھا گھنٹہ تو صرف ہو گیا۔ محسن کا غصے سے برا حال تھا۔ فائیو اسٹار ہوٹل میں نو بجے کی ٹیبل بک کرائی تھی' ساڑھے نو تو یہیں بج گئے تھے۔
وہ محسن کے چہرے کے اترتے اور چڑھتے زاویے نوٹ کر رہی تھی۔ جلدی جلدی کام ختم کیا اور جانے لگی۔
''چندا! مجھے ابھی جانا ہے' تمہارے بھیا منتظر ہیں۔ تمہارے لئے آئسکریم لاؤں گی۔'' اسے بہلا کے ساڑھی کا پلو درست کرتی وہ محسن کے پاس آئی۔
''نہیں نہیں۔ جلدی تو نہیں۔ لاڈلے کے پاس بیٹھ جاتیں۔ کل پرسوں ترسوں چلے چلتے۔'' غصے میں محسن نے گاڑی اسٹارٹ کی تھی۔
سارا راستہ دونوں میں گفتگو برائے نام رہی۔
صبح نماز کے وقت ہی وہ اٹھ بیٹھی تھی۔ اس نے اپنی روٹین بہت حد تک سیٹ کر لی تھی۔ نماز پڑھ کے تیمور کے پھول پودوں' کیاریوں' بیلوں کو پانی لگاتی تھی۔ لان میں بھی پانی دیتی۔ آنگن میں چھڑکاؤ کرتی۔ چیں چیں کرتے اڑتے کودتے رنگ برنگے پرندوں کو دانہ ڈالتی' اتنے میں ملکہ اور برکھا بھاگتی بھاگتی آ جاتیں' وہ کٹورے میں دودھ ڈال کے ان کی بھوک مٹاتی۔
پھر ناشتہ بنانے کے لئے کچن میں آ جاتی۔ ناشتے میں ہر کسی کی الگ الگ ڈیمانڈ ہوتی۔ کوئی پیاز والا آملیٹ کھاتا' کوئی بغیر پیاز۔ کوئی گھی والا پراٹھا لیتا' کوئی بغیر گھی والا۔ محسن' ابا جی اور تیمور چائے لیتے باقی لوگ دودھ پیتے۔
آج بھی وہ ناشتہ بنانے کے لئے کچن میں آئی' دودھ ابلنے کے لئے رکھا اور آٹا گوندھا۔
''یار میری یہ شرٹ تو پریس کر دو۔ کب سے یونہی پڑی ہے۔'' محسن کمرے سے نکلے تھے' ہاتھ میں فیروزی رنگ کی شرٹ تھی۔ وہ اٹھی اور اس کے ہاتھ سے شرٹ لے لی۔
''ابھی پہننی ہے؟'' اس نے پوچھا۔
''ہاں جی۔ دفتر پہن کے جانا ہے۔'' وہ بولا اور تولیہ کندھے پہ رکھے باتھ روم میں چلا گیا۔
وہ دودھ کی آنچ ہلکی کر کے اس کمرے میں آئی جہاں استری کی میز رکھی تھی۔ شرٹ کے بٹن بند کئے۔ استری آن کی اور اسپرے کی بوتل سے پانی چھڑکنے لگی۔
''دلہن...... او دلہن بیٹی۔'' ابا جی کمرے سے آواز دینے لگے۔
''آئی ابا جی۔'' استری کا سوئچ آف کر کے وہ ابا جی کے کمرے کی طرف بھاگی۔ جب تک وہ پہنچی تب تک ابا جی سو بار آوازیں دے چکے تھے۔
''ہاں...... ابا جی۔'' وہ سانس تھامتے ہی بولی۔
''نیلو بیٹی! کل رات سے ہمیں بہت تیز بخار ہے۔ ذرا یہ تھرمامیٹر اٹھا کے چیک تو کرنا حرارت۔'' ابا جی لیٹے لیٹے بولے تھے' اس نے تھرمامیٹر اٹھایا اور ابا جی کے منہ میں ڈالا۔
''آپ کو تو ایک سو دو بخار ہے ابا جی۔ آپ آج آرام کریں۔ میں ناشتہ لاتی ہوں۔ وہ کھا کے آپ دوائی لے لیں۔ شام تک آرام نہیں ہوا تو ڈاکٹر کے پاس چلیں گے۔'' وہ بولی۔
''اچھا بیٹی...... ذرا مجھے اخبار تو لا دو۔'' ابا جی کے کہنے پر وہ باہر آئی اور اخبار اٹھانے دروازے کی طرف گئی۔ اخبار اٹھا کے ابھی راہداری سے گزر رہی تھی کہ مزمل کی آواز نے روک لیا۔
''بھابی بھابی' اس جراب کا دوسرا حصہ نہیں مل رہا۔'' وہ ہاتھ میں سفید جراب اٹھائے پوچھ رہا تھا۔
''ابا جی کو اخبار دے کے ابھی آ کے ڈھونڈ دیتی ہوں۔'' وہ تیز رفتاری سے ابا جی کے کمرے میں آئی اور ان کو اخبار پکڑا لیا۔
''یہیں اسی دراز میں تو رکھا تھا۔ پتہ نہیں کہاں گیا۔'' وہ دراز میں سے کپڑے نکال نکال کے ڈھونڈنے لگی۔
''یہ رہا...... یہ لو اور جلدی تیار ہو جاؤ۔ وین آ جائے گی۔'' جراب اس کے ہاتھ میں پکڑائی۔
''بھابھی! میرا چشمہ نہیں مل رہا۔ آج پیپر بھی ہے۔ پتہ نہیں کہاں رکھا تھا۔'' مبشر کے پاس اپنی کہانی تھی۔
''ایک تو تمہیں کوئی چیز یاد نہیں رہتی مبشر۔ یہیں کہیں ٹیبل پہ رکھا ہوگا۔ کتابوں کے انبار کے نیچے...... آؤ۔'' وہ اس کے ہمراہ اسے چشمہ ڈھنڈوانے لگی۔
''بھابھی! ناشتہ۔'' مظفر دروازے میں کھڑا تھا۔
''میری بھی وین آ جائے گی۔'' مزمل نے دہائی دی۔
''میرا پیپر ہے۔ چشمہ۔'' مبشر کو اپنی پڑی تھی۔
''مبشر تم اپنا چشمہ ڈھونڈ کے ناشتہ کرنے آ جاؤ۔ مزمل ظفری تم دونوں آؤ اور مدثر اور تیمور کو بھی بلاؤ۔'' وہ جلدی جلدی ان دونوں کو کہتے کہتے باہر آئی۔
''وہ...... بھابھی! ابا جی گرم دودھ مانگ رہے ہیں۔'' تیمور ابا جی کے کمرے سے نکلا تھا۔
''اف اللہ!'' گرم دودھ کا خیال آتے ہی وہ کچن کی طرف بھاگی۔ دودھ جو گھنٹہ پہلے ابلتا چھوڑا تھا اس کا برا حال تھا۔
ابل ابل کے آدھا ہو چکا تھا۔ اس نے جلدی جلدی گلاس میں ابا جی کے لئے دودھ ڈالا۔ سب کو الگ الگ ناشتہ دینے لگی۔ گرم گرم پراٹھے اترتے جاتے اور وہ سارے کھاتے جاتے۔
''میری شرٹ......؟'' تولیہ باندھے محسن کچن میں آ گئے تھے۔ محسن کی شرٹ تو اس کے ذہن سے ہی نکل گئی تھی۔
کاٹن کی شکست زدہ شرٹ تھی آسانی سے کہاں سیدھی ہوتی تھی۔ دس منٹ بعد وہ استری کر کے کمرے میں لائی تو محسن دوسری شرٹ پہن کے تیار ہوئے کھڑے تھے۔
ناراضگی ان کے چہرے پر واضح تھی۔
''آپ کی شرٹ۔'' وہ ڈر کے بولی تھی۔
''مجھے اس کی کوئی ضرورت نہیں۔'' وہ غصے سے بولا تھا۔ اپنے کام کرتے ہوئے۔
''ناشتہ لاؤں۔'' اس نے پھر بولنے کی سعی کی۔
''میرا نمبر آئے گا تو مجھے ناشتہ ملے گا۔ جاؤ تم۔ اپنے لاڈلوں کو کراؤ۔'' غصے میں کہتا ہوا محسن فائل اٹھا کے بھوکے پیٹ گھر سے چلا گیا۔
اور دن کے تمام پہر اس کے حلق سے بھی نوالے اترے نہ تھے۔

''آئے ہائے۔ اتنا بڑا گھر ہے۔ اور سارا کا سارا کام تم خود کرتی ہو؟'' عذرا خالہ اپنا برقعہ اتارتی چارپائی پہ بیٹھ گئی تھیں' ساتھ میں ہم شکل جبین آرا بھی تھیں۔

''اپنے گھر کا کام کرنے میں کیا جھجک۔'' نیلوفر مسکرائی۔

''جھجک وجھک کو رکھو پرے۔ اللہ ماری گرمیاں نچوڑ کے رکھ دیتی ہیں بندے کو۔ جمعہ جمعہ آٹھ دن ہوئے ہیں بیاہ کو' اپنی شکل صورت تو نہ جھلساؤ کام کر کے۔ کوئی ملازمہ رکھ لو۔'' عذرا خالہ نے مشورہ دیا۔

''خالہ! مجھے ملازماؤں کا کام پسند نہیں آتا۔ آتی اپنی مرضی سے ہیں نخرے الگ کرتی ہیں۔ کہہ کہہ کے کام نکلوانا پڑتا ہے' ناز الگ سے اٹھاؤ' چھٹیاں کریں تو الگ دماغ خراب ہوتا ہے۔'' نیلوفر نے آلو چھیلتے چھیلتے کہا تھا۔

''اب ذرا سکھ آرام کے لئے تکلیف تو برداشت کرنی پڑتی ہی ہے۔ کہو اپنے میاں سے کہ کوئی کام والی رکھ دیں۔ تم کو کیا فرش دھونے اور برتن مانجھنے کے لئے لائے ہیں۔'' عذرا خالہ نے دکھتی رگ پہ ہاتھ رکھا۔

''خالہ! کمانے والے وہ ایک ہی ہیں۔ اور پھر بھائی بھی تو سارے پڑھتے ہیں۔ صرف تیمور میڈیکل ریپ کے طور پر کچھ پیسے کما رہا ہے ورنہ تو محسن ہی کی تنخواہ ہے۔'' اس نے بات کا ایک اور رخ تلاش کیا۔

''ارے یہی تو میں کہہ رہی ہوں۔ یہ سارے کے سارے لڑکے کیا تمہارے میاں کی ذمہ داری ہیں۔ ان کے ابا کیا مفت کے ابا ہیں۔ اور تمہارا میاں تمہارے سکھ آرام کے لئے ہزار پانسو نہیں نکال سکتا۔'' عذرا خالہ نے پان کا گولہ بنا کے منہ میں ڈالا۔

''ابا جی بھی تو ریٹائرڈ پوسٹ ماسٹر ہیں۔ ان کے پاس پیسہ کہاں۔'' وہ بولی۔

''اے بی بی۔ پیسہ ہوتا ہر کسی کے پاس ہے۔ دکھاتا کوئی کوئی ہے۔ ارے منہ کھلواتی ہو تو سنو۔ تمہارے سسر کے دو مکان اسی شہر میں کرائے پہ چڑھے ہیں۔ ایک گارمنٹس کی دکان بھی ہے کرایہ پر۔'' عذرا خالہ نے سرگوشیانہ انکشاف کیا۔ وہ بولنتوں کی طرح ان کی شکل دیکھتی رہی۔

''وہ پیسے نہ جانے کہاں جاتے ہیں۔ بیچارا تمہارا میاں کما کما کے پوری کرتا ہے اور تم یہاں نوکرانی کی طرح کام کر کر کے۔ یہ چھ جوان لڑکے کیا تمہیں منہ دکھائی میں ملے ہیں۔ دفع کرو۔ ذرا اپنا خیال کرو۔ بچے وچے ہوں گے تمہارے۔ ضرورتیں بڑھیں گی۔ پیسہ کہاں سے لاؤ گی۔ یا تو خود کوئی نوکری شوکری کر لو۔ چودہ پاس تو ہو۔ ان کی غلامی کرنے سے تو کچھ نہیں ملے گا۔'' عذرا خالہ آج نہ جانے اسے کیا سمجھانے کے موڈ میں تھیں۔

''رہنے دو ناں خالہ۔ کیا باتیں لے کے بیٹھ گئی ہو۔ میں تمہارے لئے اچھی سی چائے بنا کے لاتی ہوں۔'' نیلوفر نے بات سمیٹی اور آلو اٹھائے کچن کی طرف بڑھ گئی۔

❖❖❖

کچھ ہی عرصے بعد زندگی یکسانیت میں ڈھلنے لگ گئی تھی۔ دن بھر کی مشکل مشقت بھری روٹین' شام کی تنہائی اور محسن کی نارضگی۔ ان کو ہر وقت شکایت رہتی کہ نیلوفر انہیں وقت نہیں دیتی۔ ان کو دینے کے لئے وہ وقت لاتی بھی تو کہاں سے' کبھی کبھی تو عذرا خالہ کی باتیں بھی اسے سچی لگتی تھیں۔ وہ ان پر غور کرنے لگتی۔

کچھ دنوں سے طبیعت بھی خراب تھی۔ عجیب اداسی سی چھائی رہتی' ہر چیز سے جی اکتانے لگتا۔ بخار اور سر درد نے الگ رقت طاری کر دی تھی۔ گھر کے کسی کام میں دل نہ لگتا۔ اور گھر کے تمام لڑکے...... ان کے اپنے اپنے مشغلے تھے۔ نند ہوتی تو اس کے ساتھ بیٹھتی باتیں کرتی' چوٹی بناتی' اسے سجاتی سنوارتی۔ زیادہ نہیں تو کام میں ہاتھ ہی بنا دیتی۔ مگر یہ لڑکے...... وہ آہ بھر کے رہ جاتی۔

ان کو تو تمام کی تمام چیزیں تیار درکار ہوتی ہیں۔ کیا روٹی' کیا کپڑے' کیا جوتے۔ سچ کہتی ہیں عذرا خالہ یہ پانچ لڑکے مجھے بری میں ملے ہیں سسرال والوں کی طرف سے۔

اداس سی ایک اور شام اس گھر کے دریچوں میں اتری تھی۔ پرندے اپنی چیوں چیوں میں مشغول تھے۔ دونوں بلیاں لان میں پڑی مڑل کی گیند سے کھیل رہی تھیں اور وہ چائے کا کپ اٹھائے کتنی دیر سے ملکہ بر کھا کے کھیل کو دیکھ رہی تھی۔ چائے پینے کا بھی دل نہیں کر رہا تھا۔ ایک ہی گھونٹ نے جی متلا دیا تھا۔

اسی وقت محسن گھر میں داخل ہوئے۔ چہرے پہ عجیب مسکراہٹ اور رونق تھی۔

وہ بھی محسن کے پیچھے پیچھے کمرے میں آ گئی۔

''موڈ ہو تو ایک بڑی اچھی خبر سناؤں۔'' محسن نے اسے پیار سے دیکھا۔

''کیا؟'' وہ حیران ہوئی۔

محسن نے اپنے ہاتھ میں اک کاغذ لہرایا۔

''تمہارا جو کل ٹیسٹ کروایا تھا۔ اس کی رپورٹ آئی ہے۔'' محسن نے کہا۔

''کیا رپورٹ ہے؟''

''اس میں لکھا ہے کہ ہمارے گھر۔ بہت جلد۔ اک چھوٹا سا۔ گپلو سا۔ ننھا منا مہمان آنے والا ہے۔'' محسن کے چہرے پر پھوٹی رمق اب اس کے چہرے پر کھل گئی۔ ماں بننے کا احساس ہی اس قدر سہانا ہوتا ہے۔ وہ شرم سے مسکراتی رہی۔

''میں ابھی ابا جی اور سب کو بتا کے آتا ہوں۔'' محسن نے کھلکھلا کے دروازے کا رخ کیا۔ اور وہ اپنی ٹیسٹ رپورٹ کو دیکھ کے دیر تک مسکراتی رہی۔

❖❖❖

زندگی میں ایک نئی تبدیلی آئی تھی۔ روٹین بھی تبدیل ہو رہی تھی' صحت میں بھی فرق آ رہا تھا۔ صبح نماز کے بعد وہ لیٹتی تو نیند ساتھ چھوڑتی ہی نہیں' محسن بھی اس کے خاص دنوں کے پیش نظر ناشتے کے لئے اسے نہیں اٹھاتے۔ باقی لوگ بھی بھوکے اپنے اپنے کام سے چلے جاتے۔ ایک ابا جی تھے جو دیر سے ناشتہ کرتے تھے۔

اب اس سے گھر کا کام بھی نہ ہوتا تھا۔ وجود بھی دن بدن بھاری ہوتا جا رہا تھا آخر ایک دن اس نے محسن سے کہہ ہی دیا۔

''نہیں ہوتا مجھ سے گھر کا اتنا سارا کام۔ حد ہوتی ہے کوئی۔ خیال ہی نہیں آتا کسی کو۔ نہ کوئی کام میں ہاتھ بٹاتا ہے نہ مدد کرتا ہے۔ نوکرانی تک رکھوا دینے کا خیال نہیں آتا۔ آپ کی کمائی آخر میرے کس کام میں آئی۔''

''ارے تو اس میں غصہ ہونے والی کون سی بات ہے۔ رکھ لو کوئی کام والی۔ پیسے دے دوں گا میں۔ آج کل ویسے بھی گرمی بہت ہے اور اس حالت میں تمہارا کام کرنا بھی ٹھیک نہیں۔ تم اپنا خیال نہیں رکھو گی تو کون رکھے گا؟ ہے ہی کون گھر میں تمہارا خیال رکھنے کے لئے۔'' محسن نے کہا۔

''تم کل ہی کوئی ماسی ڈھونڈنا شروع کر دو۔ اور بالکل بھی ایکسٹرا کام مت کرو۔ آئی بات سمجھ میں۔'' محسن نے مصنوعی غصے سے کہا۔

وہ مسکرا کے رہ گئی۔

اور اگلے ہی دن اس نے پندرہ سولہ سال کی لڑکی نازو کو کام پہ رکھ لیا۔ ہر کام کیا کرتی تھی۔ صبح صبح آ جاتی اور شام کو گھر جاتی۔ سبھی کام کرتی تھی۔ اسے کافی آرام ہو گیا تھا۔

''ہائے اللہ۔ لڑکی یہ تم کیا کھا رہی ہو۔'' عذرا خالہ نے دیوار پر چڑھے چڑھے زوردار آواز میں کہا تھا' ہاتھ میں پکڑی پلیٹ لرز گئی۔

''مرچیں تل کے کھا رہی ہوں۔ اچھی لگتی ہیں کھانے میں۔'' وہ معصومیت سے بولی تھی۔

''اچھی لگتی ہیں تو چکھتی جاؤ اتنی تیکھی اور گرم مرچیں۔ اپنا نہیں تو آنے والے کا خیال رکھ لو۔ پھل فروٹ کھایا کرو صحت مند خوراک لو گی تو بچہ صحت مند پیدا ہو گا۔ یہ مرچ مصالحے بچے کی رنگت تک جھلسا دیتے ہیں۔ کوئی بڑی بی' کوئی ساس گھر میں ہوتی تو سمجھاتی۔'' عذرا خالہ نے ٹوکا۔

اس نے پلیٹ سائیڈ میں رکھ دی۔

''کہو اپنے میاں محترم سے کہ پھل فروٹ لایا کریں' جوس وغیرہ بنا کے پیا کرو۔ جان بناؤ اپنی۔'' خالہ نے کہا۔

''یہاں کھانے کا مشکل سے پورا کرتے ہیں' پھل فروٹ کہاں سے لائیں۔'' وہ دل ہی دل میں سوچنے لگی۔

''اور یہ تم نے اپنا حلیہ کیا بنا کے رکھا ہے۔ میلے کچیلے کپڑے۔ اری نیک بخت بازار جا کے کوئی لان کے سوٹ خرید لا اور کھلے کھلے سلوا کے پہن۔ ان دنوں میں تنگ کپڑے بھی جان عذاب میں ڈال دیتے ہیں۔ کیا سمجھی۔ اچھا میں چلتی ہوں۔ سالن پک رہا ہے میرا۔'' خالہ عذرا چار چھ سنا کے اتر گئیں دیوار سے اور وہ خاموشی سے مرچوں کی پلیٹ کو دیکھتی رہی جسے کھانے کا اب بالکل دل نہیں کر رہا تھا۔

نازو کو اس نے شروع میں خود ہی بڑی ڈھیل دی' جس کے نتیجے میں وہ بہت جلد ہی سر چڑھ گئی تھی اور آہستہ آہستہ رنگ دکھانے شروع کر دیئے تھے۔ نئے کپڑے پہن کے آتی۔ لپ اسٹک لازمی لگاتی' چہرے پر کریمیں لگاتی' دھیمی آواز میں گنگناتی۔

پہلے تو نیلوفر نے نوٹ ہی نہیں کیا لیکن پھر اس نے غور کرنا شروع کیا۔ نازو تیمور کے آگے پیچھے رہتی۔ وہ پودوں کو پانی دیتا تو بہانے بہانے سے آنگن میں آ جاتی۔ کبھی کپڑے سکھانے تو کبھی جھاڑ کاڑ کرنے...... وہ کمرے میں جاتا تو اس کی صفائیاں شروع ہو تیں۔ اور تب تک گھر واپس نہ جاتی جب تک شام کو تیمور آ نہ جاتا۔

''صاحب جی چائے۔'' ''صاحب جی کھانا۔'' کہہ کہہ کے ہر وقت اس کے آگے پیچھے رہتی۔ نیلوفر کے ذہن میں خطرے کی گھنٹیاں بجیں۔ نازو نوکرانی سہی مگر لڑکی تھی۔ جوان تھی قبول صورت تھی اور تیمور...... وہ چاہے جتنا بھی شریف ہو فرشتہ تو نہ تھا۔ کسی بھی طرح کا رسک لینا عقلمندی تو نہ تھی۔

لہٰذا اس نے دو ایک بار نازو کو ڈانٹا اور جب اثر نہ ہوا تو اس نے اسے نکال باہر کیا۔

سکھ چین کی خاطر گھر کی عزت داؤ پہ لگاتی۔

اتنا بڑا رسک لیتی...... بڑی بھابی تھی' ماں کی جگہ تھی۔ گھر اس کا اپنا تھا۔ اس نے فوراً فیصلہ کر لیا اور نازو کو نکال دیا اور دوبارہ گھر کا کام خود کرنے لگی تھی۔ لیکن اب کام پہلے کی سی رفتار سے ہوتا نہ تھا۔ بھاری بھر کم وجود ہو گیا تھا۔ اٹھ جائے تو بیٹھا نہ جاتا' بیٹھ جائے تو اٹھنا محال ہوتا۔ کبھی ٹانگیں سن ہو جاتیں تو کبھی پاؤں سوجھ جاتے۔ بڑی بری حالت تھی' گھر میں کوئی عورت نہ تھی جو دیکھ بھال کرتی اوپر سے عذرا خالہ دن میں دس مرتبہ چھت پر یا دیوار پر چڑھ کے کوئی جلتی چنگاری پھینک دیتیں گھر میں کہ وہ بے وجہ موڈ خراب کر لیتی۔ خوامخواہ ڈپریس ہو جاتی۔

''آئے ہائے۔ تمہارے ماں باپ نے تو تمہیں جہنم میں بیچ دیا ہے اور تمہیں بھی نہ جانے اس جہنم سے کیا پیار ہو گیا ہے۔ پورے مہینے ہو گئے ہیں اور تم ابھی تک ان نکھے دیوروں کے پراٹھے پکا رہی ہو اور جوڑے گھس رہی ہو۔ ارے کیا سوتیلی اولاد تھیں کیا ماں باوا کی۔'' عذرا خالہ آج گھر آئی تھیں طبیعت پوچھنے۔ وہ خاموش بیٹھی سنتی رہی۔

''جب تک عورت بتائے ناں کہ مجھے درد' تکلیف ہے' گھر والے یقین نہیں کرتے۔ بتانا' جتانا' دکھانا پڑتا ہے اور مرد تو یوں بھی بے حس ہوتا ہے۔ اس کے سب کام ہو رہے ہیں' روٹی کپڑا مل رہا ہے۔ اسے کیا کہ کرنے والی پہ کیا گزرتی ہے۔ میں تو کہتی ہوں یہی حال رہا تو روٹیاں بناتے بناتے بچے کو دودھ بھی پلاؤ گی۔ سن لیجیو۔''

''خالہ! ایسی کوئی بات نہیں۔ میں ہفتے تک امی کے گھر چلی جاؤں گی اور وہیں رہنے کا ارادہ ہے کم از کم دو ماہ۔'' وہ بولی۔

''اے ہائے۔ دو ماہ میں تو پہلے بچے کو اٹھانا تک نہیں آتا۔ کم از کم چھ ماہ رکنا ماں کے یہاں۔'' خالہ نے مشورہ دیا۔

''چھ ماہ...... خالہ چھ ماہ تک میرے گھر کو کون سنبھالے گا۔''

''کیوں...... گھر تو جہیز میں لائی تھی یا قبر میں اٹھا کر لے جائے گی۔ یہ جو تیرے جوان جہان دیور ہیں کیا ان کی ذمہ داری تیرے سر ہے؟ لکھوایا تھا کیا تیرے ماں باپ نے؟ میں تو کہتی ہوں سات بیٹے ہیں' گھر کے سات حصے ہوں گے اور تیرے حصے میں تیرے کمرے کے سوا کچھ نہ آئے گا۔ سنہری موقع ہے اگر بیٹا ہو تو لکھوا لینا یہ مکان اس کے نام۔'' خالہ نے سرگوشی کی۔

''کیسی باتیں کرتی ہو خالہ۔ ابھی سے حصے کرنے لگوں میں۔ بیٹی بن کے رہنا چاہتی ہوں بہو نہیں۔'' وہ بولی۔

''ارے تو بن کے رہ بیٹی اور مت کر حصے۔ دیورانیاں آتے ہی حصے لے جائیں گی تو دیکھیو۔ خالہ کی باتیں یاد کرے گی۔ خیر خواہ ہوں تیری' زمانہ دیکھا ہے۔ تیز نظر رکھتی ہوں۔ ہاں۔'' خالہ نے غصے میں اپنا برقعہ اٹھایا اور باہر چلی گئیں۔

❖❖❖

''سنیں! محسن۔'' اس نے پکارا تھا۔

''ہوں۔'' محسن نے جواب دیا۔

''سوئے تو نہیں۔'' وہ چھت کو گھورتے ہوئے بولی۔

''نہیں۔'' جواب آیا۔

''امی اپنے گھر آنے کا کہہ رہی تھیں۔ صبح دفتر جاتے ہوئے مجھے چھوڑتے جایئے گا۔'' اس نے اصل بات کر دی۔

''کل صبح۔ اتنی جلدی کیا ہے۔ کل آرام سے تیاری کرنا۔ پرسوں چھوڑ آؤں گا۔'' محسن نے جواب دیا۔

''نہیں...... مجھے کل ہی جانا ہے۔ گھر کا کام نہیں ہوتا۔ چولہے کے آگے بیٹھا نہیں جاتا۔'' وہ بولی۔

''ارے تو کس نے کہا تھا نوکرانی بھگا دینے کو۔ جیسے تیسے ڈلیوری تک تو کام چلاتیں۔'' محسن نے ٹوکا۔

''بس...... مجھے اس کے تیور اچھے نہیں لگتے تھے۔'' اسے مختصراً جواب دیا۔

دونوں طرف خاموشی چھا گئی۔

''محسن......!'' اس نے پھر پکارا۔

''ہوں۔''

''یہ گھر کس کے نام ہے؟'' اس کے اس عجیب سوال پہ محسن نے لمحہ بھر کو اس کا چہرہ دیکھا۔ نیم تاریکی میں چھت کو دیکھتی آنکھیں' کوئی تاثر نہ تھا۔

''کیوں...... تم کیوں پوچھ رہی ہو یہ۔'' محسن نے سوال کے جواب میں کہا۔

''سنا ہے آپ کے ابا کے دو اور مکان ہیں اور دکان بھی ہے۔ آپ کے حصے میں کیا آئے گا؟'' عذرا خالہ کے بوئے بیج نے پنپنا شروع کر دیا تھا۔

''تم آج کیا حصوں کی باتیں لے بیٹھی ہو۔ چلو سو جاؤ۔'' محسن نے بات ختم کرنی چاہی۔

''اگر آپ کے حصے میں کچھ نہیں تو پھر ہمارے بچوں کا کیا ہو گا۔ آنے والا سوغر چے ساتھ لائے گا۔ آپ کی معقول تنخواہ تو گھر کے خرچوں اور بھائیوں کی پڑھائی پہ نکل جاتی ہے۔ میرے بچے کے لئے کیا ہو گا۔'' وہ عجیب بدلے بدلے لہجے میں بولی تھی۔

''ارے یار۔ اس کو آنے تو دو۔ وہ اپنی قسمت اپنے ساتھ لائے گا۔ منڈیر پر چڑیا آکے بیٹھتی ہے تو اپنا دانہ ساتھ لئے آتی ہے۔ بچہ آیا تو اپنی خوراک اور قسمت لے کر آئے گا۔ تم فکر نہ کرو۔'' محسن نے سمجھایا۔

''لیکن ماں باپ کا بھی تو کچھ فرض ہوتا ہے۔ ہم نے کیا تیاری کرلی ہے اس کے آنے کی۔'' وہ بولی۔ اس کے لہجے میں جانے ایسا کیا تھا کہ محسن کو غصہ آ گیا۔

''آج تمہارا دماغ خراب ہو گیا ہے۔ عجیب بہکی بہکی باتیں کر رہی ہو سو جاؤ چپ کر کے۔'' محسن نے کروٹ بدلی اور سو گیا تھا۔

دیر تک وا ہمے اور عذرا خالہ کے الفاظ اسے جگاتے رہے۔

امی کے گھر آکے اسے ڈیڑھ دو ہفتے کافی آرام ملا تھا اور دو ہفتوں بعد ہی اس کی گود میں دو جڑواں ننھے سے پھول آ گئے تھے۔ وہ دو صحت مند بیٹوں کی ماں بن چکی تھی۔ محسن کی خوشی کا کوئی ٹھکانہ نہ تھا۔ وہ تمام گھر والوں کے ہمراہ اسپتال پہنچا تھا اور اپنے صاحبزادوں کو دیکھا تھا۔ دونوں خاندانوں میں خوشی کی لہریں دوڑ گئی تھیں۔ دو معصوم اور خوب صورت پھولوں نے گھر کے آنگن کو مہکا دیا تھا۔

''ان کا نام کیا ہو گا بھیا۔'' تیمور نے کہا تھا۔

''تم بتاؤ...... کیا ہونا چاہئے؟'' محسن نے جواب دیا۔

''یہ تو کہے گا ایک کا نام گلاب خان اور دوسرے کا بوٹا خان۔'' مظفر نے اسے چھیڑا۔

''اور تم کیا رکھو گے۔ کبوتر اور طوطا۔'' تیمور نے بدلہ لیا۔

''بھیا ان کا نام رکھیں ثقلین اور انضمام۔'' کرکٹ کے شوقین مزمل نے مشورہ دیا۔

''نہیں بھیا۔ گل جی اور پکاسو۔'' مدثر نے کہا۔

''میں تو کہتا ہوں نیوٹن اور آئن اسٹائن۔'' مبشر چشمہ درست کرتے ہوئے بولا۔

''رہنے دو یہ فضول سے نام۔ میں نے دو نام سوچے ہیں۔ ابا جی سے پسند کروا لیں۔'' نیلوفر نے دونوں بچوں پر نظر ڈالتے ہوئے کہا۔

''کیا نام ہیں؟'' محسن نے پوچھا۔

''عاشر اور عامر۔'' نیلوفر نے جواب دیا۔

''فنٹاسٹک بھابی۔ دونوں بڑے پیارے نام ہیں۔ ملتے جلتے بھی ہیں۔ ابا جی منع کر ہی نہیں سکتے۔'' تیمور نے بھتیجے کو اٹھا کے کہا۔

سبھی خوش تھے۔

سبھی کی زندگیوں میں نئی تبدیلی آئی تھی۔

سبھی کی زندگی مسکرا رہی تھی۔

❖❖❖

عامر اور عاشر ابھی تین ماہ کے ہی ہوئے تھے کہ وہ گھر آ گئی۔ محسن سے بچوں کے بغیر رہا نہ جاتا تھا۔ گھر والوں نے اس کا بہت اچھی طرح استقبال کیا۔ ابا جی کی آنکھوں نے عرصے بعد دودھ بھیگے ہونٹوں کی مسکراہٹ دیکھی تھی۔ ان کی زندگی میں بہاریں لوٹ آئی تھیں۔ لیکن نیلوفر کی زندگی مزید الجھ گئی۔

گھر آکر ظاہر ہے سارا کام اسی کو دیکھنا سنبھالنا تھا۔ اسی طرح کھانا بنانا' اسی طرح کپڑے دھونے تھے۔ بچے جڑواں تھے' ساتھ روتے' ساتھ اٹھتے تھے۔ عادتیں بھی یکساں تھیں۔ وہ دونوں کو ایک وقت میں نہ اٹھا سکتی' نہ دودھ پلا سکتی۔ محسن ہوتے تو آرام ہو جاتا۔ لڑکے' لڑکے تھے۔ دو لمحے پیار کرتے' چومتے چاٹتے پھر اپنے حال پہ انہیں چھوڑ دیتے۔ سارا انتظام سنبھالتے اس سے تو اپنا آپ فراموش ہو گیا تھا۔ اب اسے محسن سمیت گھر کے سبھی لوگوں پر غصہ آنے لگا تھا۔

''سارا سارا دن سب کی خدمتیں کرتے گزر جاتا ہے اور ساری رات بچوں کے ساتھ جاگ جاگ کے۔ کسی سے اتنا نہیں ہوتا کہ مجھے چائے کا ایک کپ بنا دے یا پھر اگر میں کھانا بنا رہی ہوں تو بچہ ہی اٹھا لیں۔ دو دو بچے ہیں' جن کو دینے کے لئے میرے پاس وقت ہی نہیں۔'' وہ کڑھ کر سوچتی۔ اس کے رویئے میں بھی تبدیلی آ رہی تھی۔

عامر نے رونا شروع کیا تو عاشر نے بھی اس سے اپنا سُر ملایا' وہ ہاتھ صاف کرتی ان کو اٹھانے کی خاطر دوڑی۔

''بھابی۔ مجھے ذرا دودھ تو گرم کر دیں۔'' مظفر کہیں سے آ گیا۔ ''ملکہ برکھا کی طرح آج مجھے بھی دودھ کی طلب لگی ہے۔'' وہ مسکرایا۔

''میرے دونوں بچے بھوک سے بلک رہے ہیں۔ تمہارے اپنے نخرے ختم نہیں ہوتے۔ جاؤ جا کے خود ہی گرم کر لو۔'' وہ تختی سے کہتی ہوئی اندر کمرے میں آئی اور باری باری اٹھا کے دونوں بچوں کو دودھ پلایا۔

اس کا بدلتا رویہ گھر کے سبھی لوگوں کے دلوں میں چھید ڈال رہا تھا۔ کہاں وہ محبت کی دیوی بن کر پیار کیا کرتی تھی' کہاں ہر وقت غصے میں رہتی' چڑچڑاہٹ اس کے انگ انگ سے محسوس ہوتی۔

''آئے ہائے۔ بھوکا مار ڈالو گی دونوں بچوں کو۔ ارے اپنا دودھ پورا نہیں ہوتا تو ڈبے کا لگا لو۔ ذرا ذرا جان تو ہے دونوں کی۔ ذرا ذرا سا دودھ دونوں پئیں گے تو خاک صحت مند ہوں گے۔'' عذرا خالہ دونوں بچوں کو دیکھنے آئی تھیں۔

''ڈبے کا دودھ۔ ہم کہاں سے لے سکیں گے خالہ اور پھر بچوں کے لئے ماں کے دودھ سے بڑھ کر غذائیت کہیں نہیں ہوتی۔'' اس نے مسکرا کر جواز پیش کیا۔

''لیکن اگر ماں کا دودھ بچے کی بھوک مٹا نہ سکے تو مجبوراً اوپر کا دودھ لگانا پڑتا ہے۔ میاں تمہارا دس ہزار تو کماتا ہے۔ ہزار دو ہزار بچے کے دودھ پہ نہیں لگا سکتا۔ یا پھر مانگو اپنے سسر سے۔ بچوں کی دیکھو حالت کیا ہو رہی ہے۔'' عذرا خالہ کے کہنے پر اس نے کمزور پڑتے عاشر عامر کو دیکھا۔

''پاؤں اوپر رکھ دینے پر تو چیونٹی بھی کاٹ لیتی ہے۔ پتہ نہیں تم کیوں اتنی بے ضرر بے زبان ہو۔ اپنا حق تک مانگنا نہیں آتا۔ یہ ظالم مرد نہیں دیکھیں گے تمہاری ضرورت کو نہیں سمجھیں گے تمہاری پریشانی...... جب تک کہو گی نہیں۔ اے۔ رب تعالیٰ نے جڑواں بچے دیئے ہیں۔ ان کے لئے تو لاکھوں روپے قربان۔''

عذرا خالہ کے الفاظ اس کی شریانوں میں آگ لگانے لگے۔

''زیادہ مجبوری ہو تو اپنے ابا سے مانگ آؤ۔ بیٹی کو جیتے جی جہنم میں جھونک دیا ہے کم از کم ان نواسوں کو تو بچا لیں۔'' عذرا خالہ نے انتہائی سفاکی سے کہا تھا۔

اس کی آنکھیں نم ہو گئی تھیں۔

عامر اور عاشر کو اٹھا کے اپنے سینے سے بھینچ لیا تھا۔

❖❖❖

خرچے کی ڈائری اور کیلکولیٹر اٹھائے محسن حساب کرنے میں مشغول تھا۔ مہینے کے شروع کی تاریخ تھی۔ گھر کا بجٹ بن رہا تھا۔

''یہ مظفر کی فیس' یہ مزمل کی' یہ مبشر کی لائبریری فیس' یہ اس کی کتابوں کا خرچ' یہ مدثر کی پاکٹ منی' اخبار والا' دودھ والا' بجلی' گیس' فون۔'' محسن حساب کرتا رہا۔

''نیلوفر خاموشی سے اسے دیکھتی رہی۔ تنخواہ آئی تھی تو اس میں کوئی خوشی کی بات نہ تھی' اس میں اس کا یا بچوں کا کوئی حصہ نہ تھا۔

''محسن! دونوں بچوں کو میرا دودھ کافی نہیں ہے۔ ڈبے کا دودھ لگانے کے لئے کہا ہے ڈاکٹر نے۔'' اس نے کسی طرح سے بات کا آغاز کیا۔

''لیکن نیلو ڈبے کا دودھ تو ہم افورڈ نہیں کر سکیں گے۔ تم ایسا کرو دودھ والے سے کہہ کے آدھا کلو دودھ بڑھا لو۔'' محسن نے مشورہ دیا۔

''تمہارا خیال ہے آدھا کلو دودھ سے دونوں شیر خوار بچوں کی ضرورت پوری ہو جائے گی؟ اور آدھا کلو دودھ تو صبح شام تمہارے بھائی کی بلیاں پی جاتی ہیں...... اس کا

کوئی شمار نہیں۔" وہ غصے سے بولی۔

"میرے پاس اپنی ذات کے لئے پیسے نہیں ہوتے۔ کہاں سے لاؤں اور پیسے۔" وہ چلایا۔

"کہیں سے بھی لاؤ۔ اولاد کی ضرورت پوری کرنا تمہارا فرض ہے۔ بھائیوں کی ضرورتوں کے پیچھے تم اپنی اولاد کو بھوکا رکھو گے۔"

وہ آپے سے باہر ہونے لگی۔

"تو اور کون پورے کرے گا میرے بھائیوں کے خرچے۔" محسن بھی غصے میں آ گیا تھا۔

"ان کا والد ابھی زندہ ہے' تندرست ہے' کر سکتا ہے وہ کام۔" نیلوفر نے کہہ دیا۔

"ابا جی ...... کیا کام کر سکتے ہیں! ابا جی۔ ساری عمر ڈاک خانے میں خطوں کے اوپر ٹھپے لگا لگا کے انہوں نے مجھے پڑھایا اور آخری عمر میں بھی میں ان سے کام کراؤں۔ اتنی نالائق اولاد نہیں ابا جی کی۔" وہ بولا۔

"منہ کھلواتے ہو تو سنو۔ تمہارے ابا کے دو مکان اور دکان کرائے پر چڑھی ہے کہاں جاتا ہے کرایہ اس کا۔ کیوں پوری نہیں کر سکتے وہ اپنے چھ عدد بچوں کی ضرورت۔

میرے بچوں کا دودھ زیادہ مہنگا ہو گیا ہے۔" وہ روتی ہوئی کہتی رہی۔ جھگڑا بڑھتے بڑھتے طول اختیار کر گیا۔ ابا جی' تیمور اور سبھی جمع ہو گئے۔

"مجھے نہیں رہنا اس گھر میں جہاں دوسروں کی خدمتوں کے بدلے کچھ نہیں ملتا۔ ننھے بچوں کے لئے دو گھونٹ دودھ بھی نہیں۔" وہ روتے روتے کہنے لگی۔

"جاؤ چلی جاؤ۔ ابھی کے ابھی چلی جاؤ۔" محسن یہ کہتا ہوا چلا گیا اور اس نے اپنا سامان باندھنا شروع کیا۔ دونوں بچوں کو اٹھایا اور ابا جی سمیت سبھی اسے روکتے رہے۔ مگر وہ رکی نہیں۔ چلتی رہی۔

اور امی کے گھر کی دہلیز پہ وہ تھک کے کھڑی ہو گئی۔ ذہن شل ہو رہا تھا۔

امی کے گھر آئے اسے ایک ہفتہ گزر گیا تھا۔ محسن نے اس دوران دو مرتبہ فون کیا تھا مگر تمام بات چیت امی سے ہی کی تھی۔ امی سے اس نے کیا بات کی تھی اسے امی نے نہیں بتایا تھا' امی بھی اس کے یوں گھر چھوڑ کر آنے پر ناراض تھیں۔ بچوں کو اٹھاتی تھیں ان کے کام بھی کرتی تھیں مگر نیلوفر سے کوئی بات نہ کی تھی۔ وہ عجیب پژمردہ حالت کا شکار تھی۔ کچھ اپنے کیے پر ندامت بھی تھی کہ وہ چھوٹی سی بات پر بہت ناراض ہو گئی تھی محسن پر ...... اس کا وہ بھڑک جانا برس پڑنا اس نے واقعی غلطی کی تھی یوں گھر آ کر۔ گھر کے معاملات گھر میں بھی سلجھ سکتے تھے' چار دیواری سے معاملہ نکلا تھا تو بات ذاتی نہیں رہی تھی۔

ہفتے بعد ایک شام کو محسن اسے لینے آ گئے۔ وہ بیٹھی ناشر کو دودھ پلا رہی تھی۔ عامر امی کے پاس تھا۔ محسن نے آتے ہی عامر کو امی کے ہاتھ سے لے لیا۔ امی اس کے کمرے میں آ گئیں۔

"نیلو! جاؤ تیار ہو جاؤ۔ محسن آ گیا ہے۔ وہ جو کہے تم نے ماننا ہے۔ وہ بہت اچھا لڑکا ہے۔ اگر دوبارہ اس سے لڑ کے اس گھر میں آئیں تو میری بیٹی نہیں ہو گی۔" امی سختی سے کہتی ہوئی ناشر کو اٹھا کے باہر چلی گئیں اور وہ خاموشی سے تیار ہونے لگی۔ سامان تھا ہی کتنا' دو منٹ میں باندھ لیا اور بیڈ پہ بیٹھ گئی۔

"جاؤ ...... محسن نیچے انتظار کر رہا ہے۔ عامر میرے پاس رہے گا۔ تم ناشر کو لے جاؤ۔" امی نے ناشر اسے پکڑا دیا۔ وہ خاموشی سے ناشر کو اٹھائے سیڑھیاں اتر آئی۔

موٹر بائیک پہ محسن اس کا منتظر تھا۔ بنا بات کیے وہ بیٹھ گئی۔ محسن نے موٹر بائیک چلا دی۔

بائیک شفاف سڑک پر دوڑنے لگی۔ ایک مختلف علاقے میں موٹر سائیکل داخل ہوئی۔ نیلوفر حیرانی سے ارد گرد دیکھنے لگی۔ ان کے گھر والا علاقہ تو بہت دور رہ گیا تھا۔ محسن اسے کہاں لے کر جا رہا تھا۔ اپارٹمنٹس کا نہ رکنے والا سلسلہ شروع ہو گیا تھا' انہی اپارٹمنٹس کی ایک اونچی عمارت کے پارکنگ ایریا میں محسن نے بائیک روک دی۔

"آپ کہاں لے آئے ہیں مجھے؟" اس نے بالآخر سوال کر ہی دیا۔ محسن نے جیب سے چابیوں کا اک گچھا نکال کے اس کی جانب بڑھا دیا۔

"دوسری منزل پر جو فلیٹ ہے' وہ تمہارا ہے۔ کرائے پر لیا ہے۔ تمہارے جہیز کا تمام سامان سیٹ کروا دیا ہے۔ اب ابا جی کے گھر سے تمہارا کوئی تعلق نہیں۔ عامر اور ناشر کے نام ابا جی نے دو لاکھ روپے بینک میں جمع کروا دیے ہیں' جن کا پرافٹ تمہیں ہر ماہ ملتا رہے گا۔"

محسن یہ کہہ کر اس کا بیگ اٹھا کر آگے کی طرف بڑھنے لگے اور وہ خالی ذہن کے ساتھ ناشر کو اٹھائے اس مکان میں آ گئی ......

مکان' جو اینٹ پتھر کا بنا ہوتا ہے۔ گھر' جو دلوں سے بنتے ہیں' کتنا فاصلہ ہوتا ہے دونوں کے بیچ۔ مہنگے فرنیچر' شوپیسوں' رنگ برنگی چیزوں سے مکان سجتے ہیں ......

بے پناہ مسکراہٹوں سے' بے طرح محبتوں سے' ان گنت صادق جذبوں سے گھر بنتے ہیں ......

گھر خوشبو کے گہوارے ہوتے ہیں ......

گھر ذہنی سکون کا باعث ہوتے ہیں ......

گھر اندر کی رونق کا باعث ہوتے ہیں ......

گھر کا آنگن جس میں دھوپ آئے تو روشنی سے آنگن نہا جائے' بارش آئے۔ تو دل کے تمام درد دھل جائیں ...... چاندنی اترے تو لاکھوں ارمان ساتھ اتارے ...... بادل ٹھہریں تو آنگن سے جانے کا ان کا دل نہ کرے۔

نیلوفر کو اس مکان میں رہتے چھ ماہ ہی ہوئے تھے کہ وہ تنہائی سے اکتا گئی تھی۔ کیسا گھر تھا یہ جہاں نہ تیمور کے مہکتے پھول اور چھلکتی بیلیں تھیں اور نہ ظفری کے پرندوں کی چہچہاہٹ' اس کی شریر بلیوں کی آوازیں' نہ مدثر کے رنگ تھے اور نہ مزمل کی شرارتیں۔ کتنا بے رونق تھا یہاں سب کچھ ......

وہ روتی رہی۔ عامر اور ناشر کے کام کر کے' گھر میں تنہا پھرتی رہتی۔ رات گئے محسن آتے اور تھک کر سو جاتے۔ ویران بنجر زندگی میں کہیں کوئی کونپل نہ تھی' کوئی پھول نہ تھا۔

ندامتوں کے کانٹے اس کے جسم میں چبھتے تھے۔

کس جاہل عورت کی باتوں میں آ کر زندگی کی رمق ہی چھین لی خود سے۔ باہر کی عورتیں کہاں کسی کی خیر خواہ ہوتی ہیں۔ اپنے گھر سنبھالے نہیں جاتے اور چل پڑتی ہیں دوسروں کو نصیحت کرنے۔ گھر کے لوگوں سے اپنوں سے زیادہ کوئی خیر خواہ ہوتا ہے کیا؟

اسے ابا جی کا شفیق چہرہ یاد آ جاتا۔ ان کی دعائیں ان کی امیدیں' وہ سب کی امیدوں پر پانی پھیر آئی تھی۔ سب کی آرزوؤں پہ دھول جھونک آئی تھی۔

خود غرضی کی انتہا نہ تھی تو کیا تھی ......؟

وہ نمازیں پڑھ پڑھ کے رویا کرتی تھی۔

"محسن! میری ایک بات مانیں گے۔" چھت کو گھورتی ہوئی نیلوفر نے محسن سے سوال کیا۔

"کیا؟" محسن نے رکھائی سے جواب دیا۔

"مجھے معاف کر دیں گے۔" وہ نرمی سے بولی۔ محسن نے لمحہ بھر اس کے چہرے کو دیکھا۔

"کس بات کے لئے؟" وہ واقعی سمجھ نہ پایا تھا۔

"محسن! میں اپنے گھر واپس جانا چاہتی ہوں۔ مجھ سے تنہا نہیں رہا جاتا۔" وہ ہمت کر کے بول پڑی۔

"اپنے گھر ...... کون سے اپنے گھر؟" محسن نے شاید طنز کیا تھا۔

"میں جانتی ہوں آپ مجھ سے بہت ناراض ہیں۔ ناراض ہونے کا حق بھی رکھتے ہیں آپ۔ میں نے بہت برا کیا ہے' زیادتی کی ہے۔ لیکن میں شرمندہ ہوں۔ ندامت نے میرے دل میں ویرانہ کر دیا ہے محسن۔ رشتوں ناتوں کا مول مجھے اب سمجھ میں آیا ہے۔ جب سب مجھ سے چھن گئے ہیں۔ پلیز محسن۔ مجھے میرے گھر واپس لے چلیں۔ میں اپنے بچوں کو اسی گھر آنگن میں کھیلتا' بڑا ہوتا دیکھنا چاہتی ہوں۔" وہ ندامت سے بولی تھی۔

محسن سیدھے ہو کے بیٹھ گئے تھے۔

"اپنے اس فیصلے پر پچھتاؤ گی تو نہیں۔" وہ مسکرا کے کہہ رہے تھے۔ ان کے لہجے کی نرمی نے اس کے اندر پھول کھلا دیے تھے۔

"نہیں پچھتاؤں گی محسن' کبھی شکایت نہیں کروں گی۔ اپنے بچوں کی قسم ہے آپ کو مجھے میرا گھر آنگن لوٹا دیں۔" وہ ہاتھ جوڑ کر بولی تھی۔

"اس کا مطلب ہے ابا جی ٹھیک کہتے تھے۔" محسن نے شرارت سے کہا۔

"کیا کہتے تھے ابا جی؟" وہ حیران ہوئی۔

"انہیں بڑا یقین تھا تم پہ' تمہارے مزاج پہ۔ انہی کا آئیڈیا تھا کہ تمہیں چند ماہ الگ گھر میں رکھا جائے۔ احساس ہو جائے گا تمہیں۔ کسی کی باتوں میں آ گئی ہو۔ راستہ بھٹک گئی ہو۔ اور بھٹکے ہوؤں کو کبھی کبھی ان کے دل منزل تک پہنچا دیتے ہیں۔ وعدہ کرو آئندہ کسی کی باتوں پہ کان نہیں دھرو گی۔"

"وعدہ کرتی ہوں۔" اس نے فوراً ہاتھ رکھ دیا۔

"چلو پھر صبح تیار ہو جانا۔ ہماری سواری باد بہاری اپنے گھر آنگن کی طرف کوچ کرے گی۔" اس نے پیار سے اس کے ہاتھ کو بھینچا تھا۔ وہ مسکرا دی تھی۔

❖❖❖

وہ اپنے گھر واپس آ گئی تھی۔ گھر میں جیسے سبھی اس کے منتظر تھے۔ یہاں کچھ بھی نہ بدلا تھا۔ کسی کے مزاج تک نہیں۔

کسی کی پیشانی پہ شکن نہ تھی ......

کسی کے دل میں میل نہ تھا ......

بہت فریش موڈ میں سب نے مل کر لنچ کیا۔ ناشر عامر تو اس کے پاس آ نہیں رہے تھے۔ چاچوؤں نے جو گھیر رکھا تھا انہیں۔

وہ کھانے کے برتن اٹھاتی ہلکے پھلکے دل کے ساتھ صحن سے گزری۔ جامن کے درخت سے کچے پکے جامن گرے پڑے تھے۔ پھول' پودوں' پرندوں نے آنگن کی رونق بنا رکھی تھی۔ ملکہ بر کھا حسب عادت بھاگ رہی تھیں۔ وہ انہیں دیکھ کے مسکراتی رہی۔

"اے ہائے دلہن۔ تم واپس آ گئیں۔" عذرا خالہ نے دیوار سے سر نکالا۔

"جی خالہ واپس آ گئی۔ کبھی نہ جانے کے لئے واپس آئی ہوں۔ وہ سرشاری سے مسکرا دی تھی۔" اور ہاں خالہ۔ اب تم مجھے سمجھانے یا خیر خواہی دکھانے کی خاطر کبھی دیوار پر نہ چڑھنا۔ یوں بھی ابا جی سے کہہ دیا ہے کہ دیوار اونچی کروالیں تاکہ میرے گھر کے آنگن کو کسی کی نظر بد نہ لگ جائے۔" وہ کہتی ہوئی اٹھلاتی کچن کی طرف بڑھ گئی۔

عذرا خالہ منہ ہی منہ میں کچھ بڑبڑاتی رہی تھیں۔

گھر کا آنگن پھول نظارے' اور بہاریں تم سے ہیں

دل کا سکوں آنکھوں کی راحت چاند ستارے تم سے ہیں۔

☾